

میں آج یہاں موجود تمام پینیلسٹس، رکن ممالک کے نمائندوں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

تیرہ سال پہلے میں نے پہلی بار اس ہال میں خطاب کیا تھا۔ اس کے بعد بھی میں کئی مرتبہ آپ کے سامنے کھڑی ہوئی ہوں اور دنیا بھر کی لڑکیوں کے لیے رہنماؤں سے اقدامات کرنے کی اپیل کرتی رہی ہوں۔

ایک طویل عرصے تک مجھے یقین تھا کہ میری آواز تبدیلی لا سکتی ہے، کہ حالات بدل جائیں گے۔ لیکن آج میں یہاں ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کھڑی ہوں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی اتنے زیادہ بچوں کو جنگ اور تشدد کا شکار ہوتے، زخمی ہوتے اور غیر جوابدہ حکمرانوں کے ہاتھوں مرتے نہیں دیکھا۔ میں ایران کے ان خاندانوں کے لیے شدید دکھ محسوس کرتی ہوں جن کی بیٹیاں اسکول کے لیے گھر سے نکلیں اور واپس نہ لوٹ سکیں۔ غزہ کے ان والدین کے لیے جو اپنے بچوں کو ان کے اسکولوں کے ملبے تلے دفن کرنے پر مجبور ہوئے۔ اور افغانستان کی ان لڑکیوں کے لیے جو تقریباً پانچ سال سے ظالمانہ طالبان حکومت کے تحت زندگی گزار رہی ہیں۔

اس ہفتے آپ "انصاف تک رسائی" کے بارے میں بہت سی باتیں سنیں گے۔

لیکن حقیقی انصاف ایسا نہیں ہوتا جو ایک جگہ بچوں کی انسانیت کا دفاع کرے اور دوسری جگہ اسے نظر انداز کر دے۔ انصاف کو منتخب انداز میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے حقوق اس بات پر منحصر ہیں کہ ہم کہاں پیدا ہوئے یا یہاں موجود لوگوں کے لیے سیاسی طور پر کیا محفوظ ہے۔ بین الاقوامی قانون کے تحت بچوں کو ان کے کلاس رومز میں قتل کرنا ایک جنگی جرم

ہے جب عام شہریوں کو خراک، پانی، دوا اور پناہ سے محروم کر دیا جائے تو قانون ریاستوں کو اقدام کرنے کا پابند بناتا ہے۔

آج دنیا کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ہمیں خود سے یہ سوال کرنا ہوگا کہ انصاف کچھ لوگوں کے لیے ایک خاص حق کیوں بن گیا ہے اور دوسروں کے لیے کیوں نہیں — اور کیوں یہ اتنا وسیع نہیں کہ میناب، جباليا یا قندھار کی لڑکیوں تک پہنچ سکے۔

عالمی سطح پر ہم خواتین کے حقوق کے خلاف ایک ردعمل دیکھ رہے ہیں — وہ حقوق جنہیں حاصل کرنے میں نسلوں کا وقت لگا۔ اس کی سب سے واضح مثال افغانستان ہے۔

2021 میں طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد انہوں نے عدالتوں، پولیس اور عوامی اداروں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ اور انہوں نے اپنی طاقت کو خواتین اور لڑکیوں کے خلاف استعمال کیا۔

لڑکیاں ثانوی تعلیم یا یونیورسٹی نہیں جاسکتیں۔ خواتین کام پر نہیں جا سکتیں، کسی مرد سرپرست کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتیں اور نہ ہی عوام میں بات کر سکتی ہیں۔ پابندیوں کی فہرست طویل ہے: کھیل نہیں، نیل پالش نہیں، گانا نہیں، شاعری سنانا نہیں د۔ خواتین اور لڑکیوں کا مرد ڈاکٹر سے علاج نہیں ہو سکتا اور انہیں خود ڈاکٹر بننے کی بھی اجازت نہیں د ہے۔ آج افغانستان میں ایک مرد کے لیے اپنی بیوی یا بیٹی کو مارنا قانونی طور پر جرم نہیں سمجھا جاتا۔

میں نے حال ہی میں ایک افغان لڑکی سے فون پر بات کی۔ اس نے کہا کہ جب میں اپنے کمرے میں جا کر کتاب پڑھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میں طالبان کی نافرمانی کر رہی ہوں۔ وہ ان لاکھوں لڑکیوں میں سے ایک ہے جن کے لیے صرف زندہ رہنا ہی ایک جرات مندانہ عمل بن گیا ہے۔ تقریباً پانچ سال سے طالبان خواتین اور لڑکیوں کو عوامی زندگی سے مٹا رہے ہیں۔ اور دنیا نے اس کے جواب میں یا تو آنکھیں بند کر لی ہیں یا ان مظالم کو "ثقافت" اور "مذہب" کے نام پر جواز فراہم کیا ہے۔

یہ ثقافت نہیں ہے۔ یہ مذہب نہیں ہے۔ یہ علیحدگی اور غلبے کا ایک نظام ہے۔

ہمیں افغانستان کی اس حکومت کو اس کے اصل نام سے پکارنا ہوگا: صنفی نسلی امتیاز (Gender Apartheid)۔ اور ہمیں اسے واضح طور پر بین الاقوامی قانون کے تحت جرم کے طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔

صنفی نسلی امتیاز کو قانون میں شامل کر کے ہم خواتین اور لڑکیوں کو تحفظ فراہم کر سکتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے خلاف ایسے مظالم کو روک سکتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے لیے غم کرنا کافی نہیں جو تکلیف میں ہیں — ہمیں ہمدردی سے آگے بڑھ کر جوابدہی کی طرف جانا ہوگا۔

افغان خواتین فوجی مداخلت کا مطالبہ نہیں کر رہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ رہیں کہ انہیں بچایا جائے۔ وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ قانون میں انہیں تسلیم کیا جائے تاکہ انصاف کی طویل جدوجہد کا آغاز ہو سکے۔

لہذا میں اس کمرے میں موجود رکن ممالک سے پوچھتی ہوں: آپ کب تک قانون کو ساکت رہنے دیں گے

جبکہ ناانصافی مسلسل بڑھ رہی ہے؟ تیرہ سال پہلے مجھے یقین تھا کہ اس ہال میں تقریر کرنا کافی

ہوگا۔ آج مجھے معلوم ہے کہ تقریریں لڑکیوں کو محفوظ نہیں بناتیں۔ لیکن قانون، جوابدہی اور سیاسی

جرات ایسا کر سکتی ہے۔ یہ تینوں چیزیں آپ کے دسترس میں ہیں۔ اب انہیں استعمال کرنے کا وقت ہے۔